ڈاکٹر رمضان بامری شرف شادؔ
شعبہ فارسی، کراچی یونیورسٹی

# جدید ایرانی ناول کے تاریخی پس منظر

# HISTORICAL PERSPECTIVE OF MODERN IRANI NOVEL

**Abstract**

The tradition of Persian novel and fiction is very old. In fact, the history of novel writing in the modern Persian literature can be traced to over a century. The Persian novel-writing is rich with the translations of novels of other languages, particularly the European languages. The Persian novels cover a wide range of topics, which included: history, politics, social, romanticism, biography, psychological, progressive, enlightenment, wars, resistance, rural and urban life etc. The common and suspense novels are also popular in the modern Persian literature. In the Persian novel writing, one may trace various examples of modernism, post-modernism, independent thinking and travelogues of ancient stories. The modern novels include both the simple, easy as well as difficult and complex language. Moreover, the Persian literature comprise five periods. It is due to the worst political situation, several novelists have used fictitious names, and have come on the surface after the Iranian Revolution. Furthermore, it can be noted that the pace of modern novel-writing in Persian has increased after the Revolution.

ایران ایک قدیم اور تاریخی ملک ہے۔ اگر تاریخ کی اوراق گردانی کی جائے تو یونان کے ساتھ ایران کا نام بھی آتا ہے۔ چاہے سیاسیات و معاشیات کا ذکر ہو یا ادبیات کا۔ ایران کی زبان فارسی ہے۔ فارسی زبان کی قدامت و وسعت تاریخ ایران کی طرح قدیم اور وسیع ہے۔ فارسی زبان میں داستان گوئی کی روایت

بہت قدیم ہے جو صدیوں پر مشتمل ہے۔ جدید ایرانی ادب میں بھی داستان گوئی کی روایت ناول اور افسانے کی صورت میں تقریباً ایک صدی پر مشتمل ہے۔ فارسی ناول اور افسانے کی ایک درخشاں تاریخ رکھنے کے ساتھ اُسلوبیات اور موضوعات کی رنگارنگی لئے ہوئے ہے۔ یہ رنگارنگی نہ صرف فارسی فکشن کو دلچسپ اور معیاری بناتی ہے بلکہ تحقیق و تجزیئے کے مختلف در بھی کھولتی ہے۔ عالمی زبانوں کی طرح فارسی زبان وادب میں بھی کچھ زندہ و جاوید تخلیقات ہیں جو شاہکار کہے جا سکتے ہیں۔ مگر فارسی زبان میں کچھ کمتر حیثیت اور معمولی ادب کی اہمیت بھی اپنے پہلو میں ایک لسانی افادیت لئے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ فارسی سیکھنے والے غیر ملکیوں کے لئے اس میں ذخیرہ الفاظ کا گنج گرانمایہ موجود ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مجموعی طور پر ایرانی داستانوی ادب کا سرمایہ نہایت ہی قدر و قیمت کا حامل ہے۔

علاقے کی دیگر زبانوں کی طرح فارسی زبان میں جدید ادب کے شاخسانے بھی یورپی ادبیات سے ملتے ہیں۔ فارسی میں یورپی علم وادب اور خصوصاً داستانوی ادب کے تراجم کی تاریخ بھی تقریباً ایک صدی پُرانی ہے۔ ایران میں ترجمے کی روایت جامع، ٹھوس اور بے حد مقبول ہے۔ وہاں حیرت انگیز تیزی سے دنیاوجہان کے شاہکار اور تازہ ترین ادبیات تسلسل اور ترجمے کی توسط سے فارسی میں منتقل ہو رہے ہیں۔ چونکہ وہاں کے علمی وادبی حلقوں اور تحقیقی وتدریسی مراکز میں ترجمہ کو تخلیق اور تحقیق سے کمتر نہیں سمجھا جاتا، اس لئے مترجموں کی صف میں بڑے بڑے مشاہیر کے نام بھی ملتے ہیں۔ مغربی ادب کے تراجم کی رفتار، مقدار اور کافی حد تک معیار کے لحاظ سے بھی مشرقی دنیا میں کوئی ایران کی برابری نہیں کر سکتا۔ ترجمے کی اس قابل رشک روایت نے ابتدا سے لیکر موجودہ دور تک فارسی ناول کی آبیاری کی اور اس کے موضوع اور اُسلوب پر جہت در جہت اثرات مرتب کیے۔(1)

ایران کی تمام بڑی نیورسٹیوں اور درس گاہوں میں داستانوی ادب کی نظری تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ باقاعدہ عملی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اکابر ادیبوں کے خصوصی درس منعقد ہوتے ہیں اور وہ طلبہ کو اپنے فنی اور تکنیکی تجربات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس تربیتی نظام کے تحت داستان نگاروں کی ایک نسل علمی و عملی تہذیب و پرداخت کا مرحلہ طے کر چکی ہے اور دوسری نسل پروان چڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے نیم سرکاری اور نجی ادارے بھی داستان نگاروں کو تربیت فراہم کرتے رہتے ہیں۔ داستانوی ادب کے مصنفین کی اپنی تنظیمیں بھی ہیں جو تنقیدی نشستیں کرتی ہیں۔

ایران میں ادبی رسائل جن میں ہفتہ وار، پندرہ روزہ، ماہانہ، سہ ماہی، اور شش ماہی عمدہ اور تحقیقی مواد شائع ہوتے ہیں اور قارئین ان سے کماحقہ استفادہ کرتے ہیں۔ ان ادبی و تحقیقی رسائل میں بعض داستانوی ادب ہی کے لئے مخصوص ہیں۔

ایران میں کتابوں کی اشاعت کی صورتحال دوسرے ہمسایہ ممالک مقابلے میں کافی بہتر رہی ہے۔ ملک میں شرح خواندگی کی سطح بلند ہے۔ عوام کی اکثریت میں مطالعے کا ذوق اور کتاب دوستی کا جذبہ بہ درجہ اتم موجود ہے۔ کتاب سے محبت ایرانیوں کی تہذیبی روایت کا حصہ تصور کیا جاتا ہے، جسے ان کا ثقافتی حافظہ کبھی فراموش نہیں کرتا۔ ادبی کتابیں کثرت سے شائع ہوتی ہیں اور عموماً نوجوانوں کے ہاتھوں میں کتابیں نظر آتی ہیں یا وہ اپنا بیشتر اوقات کتب خانوں میں گزارتے ہیں۔ ناولوں اور افسانوں کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ منجھے ہوئے ادیبوں کی بات اپنی جگہ، نوجوان اور تازہ دم ادیبوں تک کی کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن ہاتھوں کے ہاتھ بک جاتے ہیں۔(2)

ایسی فضا میں داستانوی ادب کی طبع زاد تخلیق اور تراجم کے ساتھ ساتھ اس پر داستانوی ادب کو تحقیق و تجزیہ اور تنقید و تبصرہ کا موضوع بناتے رہتے ہیں۔ عالمی اور ایرانی ناول اور افسانے کی تاریخ اور اس کی مرحلہ بہ مرحلہ تکنیکی پیش رفت کے جائزوں پر مشتمل کتابوں اور مقالات کے علاوہ اہم ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں کے احوال و آثار پر جداگانہ تحقیقی و تنقیدی کتابیں شائع ہونے کے علاوہ متفرق مضامین بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔(3) اس سلسلے میں جمال میر صادق (1933)، حسن عابدینی (1953) رضا براھنی (1935) رضا سید حسینی، عبدالعلی دست غیب، محمد علی سپانلو (1940)، محمود کیانوش (1937) نجف دریابندری (1930) اور ھوشنگ گل شیدی (2000) کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ایرانی ناول اور افسانے کے نئے تنقید نگاروں میں آذر نفیسی، تقی مدّرسی، جواد اسحاقیان، سیروس پرہام، شہریار مندنی پور، صالح حسینی، علی فردوسی، قاسم ہاشمی نژاد، کورش اسدی، محمد باقر مومنی، محمد مختاری مشیت علایی، مھدی قریب، ناصر ایرانی، ناصر زراعتی اور یوسف اسحاق پور اہم ہیں۔(4)

ایرانی ناولوں میں تاریخی، سیاسی، معاشرتی، رومانوی، فکری، سوانحی، نفسیاتی، ترقی پسندانہ، جنگی، مزاحمتی، دیہاتی اور شہری پس منظر اور ماضی آفرینی جیسے تمام موضوعات ملتے ہیں۔ عامیانہ اور جاسوسی ناول بھی کافی مقبول ہیں۔ ایرانی ناول نگاری میں قدیم قصہ گوئی کا روایتی انداز بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ بااین ہمہ، فطرت نگاری، حقیقت نگاری، علامت نگاری، ھئیت پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت، آزاد تلازمہ خیال اور سیلانِ ذہنی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔(5)

ان ناولوں کی زبان و بیان میں بھی نیرنگی نظر آتی ہے۔ کہیں ادبی اور شاعرانہ نثر ہے اور کہیں عام بول چال کی زبان۔ سادہ و سلیس عبارتیں بھی ہیں، مشکل پیچیدہ حاشیہ آرائی بھی۔ مختصر جملے اور بر محل مکالمے بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور بے ربط و بے معنٰی اور طویل جملے اور مکالمے بھی ہیں جو نہ صرف پڑھنے والے کی طبع پر گراں گزرتے ہیں بلکہ تخلیق کی کہانی پن کو بھی مجروح کرتی ہیں۔ ان میں معیاری ادبی زبان

بھی جھلکتی ہے اور مختلف علاقائی بولیوں کی آمیزش کے نمونے بھی ہیں۔(6) انقلاب سے پہلے اور فوراً بعد کے اکثر ناولوں میں زیادہ تر کوچہ و بازاری رائج عام زبان استعمال کی گئی ہے جس کی درست تفہیم غیر اہلِ زبان لوگوں کے لیے نہایت مشکل ہے۔ البتہ آج کل اس حوالے سے تازہ ترین رُحجان یہ نظر آرہا ہے کہ ناول نگاری بیشتر کتابی یا شُستہ ادبی زبان کی طرف مائل ہے۔ اس کی بدولت ملکی سرحدوں سے باہر بھی ان حلقہ قارئین وسعت پذیر ہے۔

ایرانی داستانوی ادب کے آغاز وارتقاء کا سو سال منظر نامہ پانچ ادوار پر مشتمل ہے۔ ان رُحجان ساز مراحل کا تعین داستانوی ادب کے اہم محققین نے ایران کے مختلف سیاسی، سماجی، فکری اور ادبی احوال و کوائف کے پیشِ نظر کیا ہے۔ ان ادوار کے سنین یہ ہیں:(7)

۱۔1895 سے 1941
۲۔1941 سے 1953
۳۔1953 سے 1961
۴۔1961 سے 1979
۵۔1979 سے 2005

ایران کی سیاسی بیداری کی مشہور تحریک انقلاب مشروطیت (1904) نے اس ملک اور قوم کی سیاسی، ثقافتی، اور ادبی تاریخ پر غیر معمولی، ہمہ گیر اور دیرپا اثرات مرتّب کیے۔(8) سیاسی اور فکری آزادی کی اس طویل جدوجہد کے زیر اثر ایرانیوں کو دورِ جدید میں ادب کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ وہ روسی اور فرانسیسی ادب کے ذریعے جدید اصنافِ ادب سے واقف ہوئے۔ انہیں سادہ نثر نگاری کی افادیت کا احساس ہوا اور یہی اسلوب اپناتے ہوئے انہوں نے نثر میں ناول، افسانے، اور ڈرامے جیسی نئی اصناف متعارف کروائیں۔ اس سلسلے میں جو لوگ پیش قدم نظر آتے ہیں۔ وہ ہجرت کر جانے والے یا سیاسی جلاوطنی اختیار کرنے والے روشن خیال دانشور یا تجارت پیشہ اہل فکر و نظر تھے۔

اس کا آغاز میرزا فتح علی اخوند زادہ (1812-1875) کی ایک تاریخی داستان "حکایت یوسف شاہ" کے فارسی ترجمے سے ہوا۔ یہ ناول نما کہانی آذربائیجانی زبان میں لکھی گئی تھی، جس کو میرزا جعفر قراجہ داغی نے 1873ء میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔ 1880 کے بعد ایران میں یورپی ناولوں کے تراجم کی اشاعت بھی شروع ہوگئی۔ چونکہ اس عہد کے ترجمہ نگاروں کا فکری اور ذوقی معیار بہت بلند اور وسیع نہیں تھا، اس لیے زیادہ تر دوسرے تیسرے درجے کے ناولوں کے تراجم کیے گئے۔ اس سلسلے میں ایک قاجاری شہزادے محمد طاہر میرزا (1839-1900) کے تراجم "کنت مونت کریستو" (1895)

اور'' سہ تفنگ دار'' (1899) بہت اہم ہیں۔(9)

استنبول میں مقیم ایک تاجر حاج زین العابدین مراغہ ای (1911-1839) کے ''سیاحت نامہ ابراھیم بیگ''(جلد اول ۱۸۹۵ء، جلد دوئم ۱۹۰۶ء، جلد سوئم ۱۹۱۰ء) کو ایرانی ناول کا نقطہ ءآغاز قرار دیا جاسکتا ہے۔(10) قفقاز میں مقیم ایک معروف تاجر عبدالرحیم طالبوف (1910-1837) کے ناول مسالک المحسنین (۱۹۵۰)اور'' سفینہ طالبی''یا''کتابِ احمد'' کی اہمیت بھی مسلم ہے۔یہ کتابیں موضوع اور اُسلوب کی تازگی اور سادہ دل پذیری کے حوالے سے فارسی کے داستانوی ادب کی بنیاد شمار ہوتی ہیں۔( (11

اس کے بعد میرزا آقا خان کرمانی (1896-1854) کے ناول ''آئینہ سکندری'' ( 1906)اور محمد حسن خان اعتماد السطنہ (1895-1846) کے ''خلسہ'' یا'' انحطاط ایران'' ( 1892) کو شایع ہوا، جو کہ فارسی ادب کی تاریخ میں ایک عمدہ اور تاریخی ناولوں کا آغاز ہوا۔اس سلسلے میں ایک قاجاری شہزادے میرزا محمد باقر خسروی(1937-1919) کا ٹرائیولوجی '' شمس و طغریٰ( 1908)اور عبدالحسین صنعتی زادہ کرمانی (1894-1973) کا دو جلدی ناول ''رام گستران'' ( 1920-1925)اور'' کرمانی نقاش'' (1926) بہت مقبول ہوئے۔اس ضمن میں چند اور اہم ناول اوران کے مصنفین یہ ہیں:(12)

(۱) مظالم ترکان خاتون(1926)از حیدر علی کمالی(1859-1936)

(۲) شہر بانو(1931)از رحیم زادہ صفوی

(۳) دلیران تنگستان(1931)از محمد حسین رکن زادہ آدمیت(1973)

معروف ادیب اور محقق زین العابدین موئتمن (1914) کا ناول ''آشیانہ عقاب'' ( 1939) جو کہ حسن بن صباح کے بارے میں ہے۔ اس ناول کو عبدالحلیم شرر نے فارسی سے اردو میں1959 میں ترجمہ کیاہے۔(13)

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جدید فارسی شاعری کے بانی ''نیما یوشیج'' (1897-1959) نے بھی آٹھ مختصر ناول لکھے تھے مگر بوجوہ ضائع کردیے(14)، البتہ ان کے افسانے کتابی شکل میں '' کندوھائی شکستہ'' کے نام سے سن 1971ء میں شایع ہوئے ہیں۔نیما یوشیج کے ایک ناول ''حسنک وزیر غزنہ''اور ایک ناولٹ '' مرقد آقا'' بھی شایع ہوا۔

انیسویں صدی کی دوسری دھائی میں سماجی اور معاشرتی ناولوں کا باقاعدہ آغاز ہوا۔اس دور میں مرتضیٰ مشفق کاشانی(1977-1920) کا ناول ''تھران مخوف'' (1922)ان میں سرفہرست ہے۔

(15)اس سلسلے میں عباس خلیلی کے ناول " روزگارِ سیاہ") 1944ء(اور "انتقام") (1925اور "اسرارِ شب" 1926)ء(اور اسی طرح یحیٰ دولت آبادی کا ناول " شہرناز" (1925)احمد علی خداداداده تیموری کے ناول "روزِ سیاہ کار گر"(1926)محمد مسعود کے ناول " تفریحاتِ شب" ( 1932)اور "درِ تلاشِ معاش" (1933)اور اشرفِ مخلوقات"(1934)اور ربیع انصاری کا "جنایاتِ بشر" یا" آدم فروشانِ قرن بیستم" (1929)تقریباً تیس برس کی عمر کے لگ بھگ خودکشی کرنے والے جہانگیر جلیلی کا ناول " من ھم گریہ کردام "(1932)اور مشہور اُستاد اور محقق ادیب اور شاعر سعید نفیسی)متوفی(1965کے ناول " فرنگیس"(1931)اور " نیمہ راه بھشت" (1952) جوکہ بہت مقبول ہوئے۔ محمد حجازی)متوفی 1973)ناولوں میں سے " ھما(1928)" پری چہرہ" ( 1952)اور " زیبا" (1933)کو بھی بہت پذیرائی ملی۔ محمد حجازی کی تخلیقات اپنی خوبصورت ادبی نثر کی وجہ سے نہ صرف ایران بلکہ پاکستان کے تدریسی حلقوں میں بھی بہت سراہی جاتی ہیں اور ان کی زیادہ تر افسانہ اور ناول (داستانِ کوتاہ) کراچی یونیورسٹی شعبہء فارسی کے سلیبس میں بھی شامل ہیں۔ان کی تکنیک اور مجموعی تاثر کے اعتبار سے ان کی تخلیقات غیر معمولی قرار نہیں پاتیں۔(16)

مشہور افسانہ نگار صادق ھدایت(1902) جنہوں نے سن 1951میں خودکشی کی تھی، عظیم ناول" بوف کور"1936))کو تحریر فرمایا جو کہ حقیقی معنوں میں پہلا جدید ایرانی ناول کہا جاسکتا ہے۔( 17)جدید عالمی فکری وفنّی معیار کے حامل اس ناول کا پیرایہ سرریئلسٹک ہے۔دُنیا کی اکثر بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ملک وبیرون ملک میں اس کے بہت سے تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مطالعے ہوئے ہیں۔اس ناول نے ایرانی داستان نگاروں پر دیرپا اثرات چھوڑے اور بہت سے اہل قلم نے شعوری اور غیر شعوری سطح پر اس کی تقلید کی۔اس کے زیر اثر لکھی جانے والی تخلیقات کو آج بھی "ادبیات بوف کوری" کہا جاتا ہے۔(18) یہ بھی حقیقت ہے کہ ایران کے داستانوی ادب پر فکری وفنّی لحاظ سے " بوف کور" کے فنّی اثرات بھی مرتب ہوئے اور اس کے پیشتر مقلدین معیاری تخلیقات سامنے لانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

اُس دور سے لیکر ایران کے اسلامی انقلاب(1979)تک بہت سے ایسے جدید ناول نگار پیدا ہوئے جنہوں نے فارسی ناول میں نئے رجحانات متعارف کرائے، اپنے اسلوب کی الگ شناخت منوائی اور انقلاب کے بعد کے ناول نگاروں کی دونسلوں کو بلاواسطہ یا بالواسطہ متاثر کیا۔ان میں مندرجہ ذیل ادیب مختلف حوالوں سے نمایاں ہیں:(19)

(ا) بُزرگ علوی ۔ (1909-1994)کا ناول "چشمِ ھاش" (1952)،" سالاری ھا "(

1978)" موریانہ" (1993)

(۲) صادق چوبک۔(1916-1998)کا ناول" تنگسیر" (1965)،"سنگِ صبور" (1966)۔ان دونوں ناول نگاروں نے ایران کی سیاسی، اجتماعی، اور معاشی حالات نہایت عمدگی سے تنقید کی ہے۔

نامور روشن خیال، دانشور جلال آل احمد(1923-1969)اعلیٰ درجے کے افسانہ نویس اور ناول نگار بھی تھے۔ان کے ناول "مدیر مدرسہ"(1958)،"نون والقلم" (1961)اور" نفرینِ زمین" (1967)اہم ہیں، "نفرین زمین" پہلا ایرانی ناول ہے جس میں دیہاتی زندگی اور اس کے مسائل کو بہترین پیرائے میں موضوع بنایا گیا ہے۔انہوں نے 1963ء میں ایک ناول بعنوان" سنگی بر گودی" بھی لکھا تھا جو ان کی وفات کے بعد سال 1981 میں شایع ہوا تھا۔(20)

جلال آل احمد کی بیوی ڈاکٹر سیمیں دانشور(1921)کا شاہکار ناول بعنوان" سووشون" (1969)تحریر کیا جو کہ اب تک سب سے زیادہ فروخت ہونے والا فارسی زبان کا ناول قرار پایا ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے کئی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔(21)اس اعتبار سے سیمین دانشور ایران کی پہلی خاتون ناول نگار قرار پاتی ہیں۔ عالمی داستانوی ادب سے اپنی بے پناہ دلچسپی کی بنا پر انہوں نے نامور مغربی افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں کے شاہکار تخلیقات کے تراجم کیے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ان کے بعد کے ناول" جزیرہ سرگردان(1993)اور"ساربان سرگردان" (2001) بھی بہت اچھے اور عمدہ ناولوں میں شمار ہوتے ہیں۔(22)

غلام حسین ساعدی(1925-1985)ماہر نفسیات تھے۔ان کے افسانوں اور ناولوں میں ماہر نفسیات کی حیثیت سے ان کا مشاہدہ اور تجزیہ اوج پر دکھائی دیتا ہے۔" توپ" (1969)"غریبہ در شہر"(1990)اور"تاتار خندان" (1994)ان کے بہترین ناول ہیں(23)۔ان کے ہاں خیالی، تمثیلی اور سرریئلسٹک رجحانات پائے جاتے ہیں۔بعد کے کئی اہم ناول نگار اسلوب اور زبان کے حوالے سے ان کے مقلدین میں شمار ہوتے ہیں۔

علی افغانی(1925)کا ناول" شوھر آھو خانم"(1961)بہت مشہور اور مقبول ہوا۔اس کا موضوع رومانوی ہے مگر اس کی مجموعی ساخت وپرداخت رومانوی ناولوں کی سی نہیں۔انہوں نے بعد میں کئی ناول لکھے جن میں کوئی بھی فنّی اور اسلوبی اعتبار سے اعلیٰ معیار کا حامل نہیں۔ان میں سے" شادکامانِ درہ قرۃ سو" (1966)اور" شغلم" میوہ بھشتیہ" (1972)اسی طرح" سین دخت" (1981)،" بافتہ ھائی رنج" (1982)اور" دکتر بکتاش" (1985) قابل توجہ ہیں۔(دکتر بکتاش از داستان

رابعہ خضداری کہ یکی از شعرائی معروف بلوچستان (خضدار) است کہ عاشق غلام بنام بکتاش می شود)(24) یعنی ڈاکٹر بکتاش کی داستان رابعہ خضداری جو کہ فارسی زبان کی پہلی خاتون شاعرہ ہیں جو کہ اپنی غلام بکتاش پر عاشق ہوئی ہیں۔

تقی مدّرسی (1932-2000) بھی غلام حسین ساعدی کی طرح ماہر نفسیات اور بہت کامیاب ناول نگار تھے۔ ان کا ناول '' یکلیا وتنھایی او'' (1955) اور '' شریف خان'' (1965)، آدم ھائی غایب (1989) اور اسی طرح ''آدابِ زیارت'' (1989) ان کے مقبول ناول ہیں۔ لیکن ان کی شہرت '' یکلیا وتنھایی او'' سے ہی ہوا ہے۔ انہوں نے شاعرانہ اسلوب میں آسمانی صحیفوں کی جیسی زبان اپنی ناولوں میں استعمال کرنے کا تجربہ کیا اور اچھے ناول تخلیق کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔(25)

بھرام صادقی (1936-1984) کا ناول '' ملکوت'' (1961) بھی ایک قابل توجہ کاوش ہے، جس میں بڑی عمدگی سے طنزیہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو کہ زیادہ عام لوگوں میں مشہور ہوا ہے۔( 26)

ہوشنگ گلیشیری (1937-2000) کا '' شازدہ احتجاب '' (1968) عالمی سطح کا ایک کامیاب ناول ہے۔ داخلی خود کلامی اور شعور کی رو کے پیرائے میں لکھے جانے والے اس ناول کو مغرب و مشرق میں بجا طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے بعد کے ناول '' برگمشدہ راعی'' (1977)'' آئینہ ھای دردار'' (1992) اور '' جن نامہ'' (1998) بھی معیاری ناول ہیں۔ گلشیری نے ان میں اپنا سابقہ معیار برقرار رکھا لیکن موضوع، تکنیک، اور اسلوب میں کوئی خاص پیشرفت نہ کرسکے۔(27) عالمی داستانوی ادب سے ان کی ماہرانہ آگاھی انہیں ہم عصر ناول نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ فارسی زبان کے داستانوی ادب کے فروغ اور ادبی تنقید اور داستانوی ادب کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کی گرانقدر خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ایرانی انقلاب (1979) کے بعد بعض ایسے لکھاریوں کے ناول شایع ہوئے جو اس سے پہلے اپنی شناخت بنا چکے تھے مگر ان کی نئی تخلیقات میں خود انہی کا قائم کردہ فکری و فنی معیار برقرار نہ رہ سکا یا اس میں کوئی قابل ذکر ارتقا نہ ہوا۔ ان میں غلام حسین ساعدی، بزرگ علوی، ہوشنگ گلشیری اور علی محمد افغانی شامل ہیں۔(28) کچھ ناول نگار ایسے بھی ہیں جن کا تخلیقی سفر تو انقلاب ایران سے شروع ہو چکا تھا۔ مگر ان کی اصل شناخت اور شہرت انقلاب کے بعد شایع ہونے والے ناولوں کی مرہونِ منّت ہے۔ ان میں احمد محمود، محمود دولت آبادی، جمال میر صادقی اور اسماعیل فصیح نمایاں ہیں۔

احمد محمود (1931-2002) کا شمار عہد جدید کے معروف ترین ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔

ان کا ناول'' همسایه ها'' (1973)''داستانِ یک شهر''(1981)'' زمین سوخته'' (1982)''مدار صفر درجه''(1993)اور'' درخت انجیر معابد'' (2000)بہت کامیاب اور مقبول ناول ہیں۔ان کے ہاں کہانی کی ساخت بہت جاندار اور زبان و بیان فصیح و بلیغ ہوتا ہے۔ان کے فکر و فن پر خاصا تحقیقی کام ہو چکا ہے۔(29)

معاصر ایرانی ناول نگاروں میں عالمی سطح پر سب سے زیادہ شہرت محمود دولت آبادی (1930)کے حصے میں آئی۔دس سے زائد زبانوں میں ان کی تخلیقات کے ترجمے ہو چکے ہیں۔انہوں نے یورپ اور امریکہ کے بیسیوں یونیورسٹیوں اور علمی و ادبی مراکز میں خطبات بھی دیے ہیں۔''کلیدر'' جیسا عظیم اور شاندار ناول ان کا شہکار ہے۔دس جلدوں اور تقریباً ساٹھ نمایاں کرداروں پر مشتمل یہ ناول 1978سے 1983کے درمیانی سالوں میں تخلیق ہوا۔اسے ایرانی عوام کا نثری'' شاهنامه'' قرار دیا جاتا ہے۔(30) ان کے دوسرے اہم ناولوں میں '' اوسنه بابا سُبحان ''(1970)'' گاواره بان'' (1971)'' سفر'' (1972)'' باشبیرو'' (1973)'' عقیل عقیل'' (1973)'' از خم چنبر''(1977)،''جائی خالی سلوچ''(1979)'' آهوی بخت من گزل''(1988)'' دراقلیم باد'' (1990)'' روزگار سپری شده مردم سالخورده''(1991)اور'' سلوک''(2003)شامل ہیں۔ان ناولوں میں زیادہ تر دیہاتی زندگی کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔تکنیک، کرداروں اور زبان کے پیرایوں میں بہت تنوع ہے۔'' کلیدر''پر تاحال تین تحقیقی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔دولت آبادی کے فکر و فن پر پانچ مستقل کتابیں بھی شایع ہو چکی ہیں۔(31)مختلف رسائل و جرائد میں ان پر لکھے جانے والے مضامین یکجا کیے جائیں تو ہزاروں صفحات کا مجموعہ مرتب ہو سکتا ہے۔

جمال میر صاقی (1933)بھی ایران میں معاصر کے بہت نمایاں ناول نگار ہیں۔ ان کے ناولوں کے نام یہ ہیں:(32)

(۱) شب چراغ(1974)

(۲) درازنای شب(1980)

(۳) آتش از آتش از آتش(1983)

(۴) کلاغ ها و آدم ها(1989)

تاہم ان کا بہترین ناول'' بادها خبر از تغییر فصل می دادند'' (1983)ہے۔(33)

اسماعیل فصیح (1934)کا نام انقلاب ایران کے بعد سامنے آنے والے ناول نگاروں میں سر فہرست ہے۔ان کے ناول'' ثریا در اغما'' (1983)'' زمستان ۶۲''(1987)'' شهباز و جغدان''(

1990)،" فرار و فرو ھر "(1993)،" بادہ کہن" (1993)،" اسیر زمان") (1993اور" پناہ بر حافظ"(1997)ایران کے مقبول ترین ناولوں میں شمار ہوتے ہیں۔(34)

1979عیسوی میں ایران اپنی تاریخ کے سب سے بڑی فکری، سیاسی و سماجی انقلاب سے گذرا۔ (35)صدیوں سے سیاسی استحصال اور معاشرتی مفاسد کا نشانہ بنے رہنے اور انقلاب کے فوراً بعد عالمی سطح تنہا کر دیے جانے اولی اس ملت کو اپنی قومی زندگی کے ابتدائی برسوں میں سازش، جنگ، دفاع، شہادت، قید و بند، گمشدگی، جسمانی معذوری، نظریاتی کشمکش، شکست و کامیابی اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے طرح طرح کے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، خاندانی اور نفسیاتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ تمام مسائل بہت سے ناولوں کا موضوع بنے۔ قومی تاریخ کے اس حساس ترین دور سے متعلق یہ ناول بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ناول دو طرح کے ہیں۔ پہلی قسم کے ناولوں میں گہری جذباتیت اور شدید نظریاتی وابستگی پائی جاتی ہے۔ ان میں محسن مخمل باف(1958)کے ناول "حوض سلطون" (1983)اور " باغ بلور"( 1986)" اکبر خلیلی(1946)کا"ترکہ ھائی درختِ آلبالو"(1983)اور قاسم علی فراست کا" نخل ھای بی سر" (1983)انیسہ شاہ حسینی کا" توپ چنار"(1992)، علی موذنی(1958)کا" کانوش دارو"(1991)اور رضا امیر خانی(1973)کا" ارمیا" (1995)قابل ذکر ہیں۔(36)دوسری طرز کے ناولوں میں یہ تمام تلخیاں زیادہ حقیقت پسندانہ اور ہنر مندانہ انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ ایسے ناولوں میں احمد محمود اور محمود دولت آبادی اور اسماعیل فصیح کے ناولوں کے علاوہ محمود گلاب درہ ای( 1939)کا"اسماعیل اسماعیل" (1981)جواد مجابی(1939)کا"شبِ ملخ" (1990)اور حسین فتاحی کا" عشق دو سال ھائی جنگ" (1993)نمایاں ہیں۔ یہ ناول سماجی اور معاشرتی نوعیت کے ہیں۔ ان کے موضوعات، بُنت، اور زبان سادہ ہے۔ لب و لہجہ کہیں کہیں طنزیہ اور تنقیدی ہے۔ بیشتر اسلوب حقیقت نگاری ہے لیکن بعض ناولوں میں علامتی پیرایہ بیان اور سرریئلزم کے اثرات بھی ملتے ہیں۔(37)

ایرانی دانشوروں اور خاص طور پر داستانوی ادب کے لکھاریوں میں بیرون ملک نقل مکانی اور ہجرت کی روایت رائج رہی ہے۔ سید محمد علی جمال زادہ، غلام حسین ساعدی، بزرگ علوی، اور صادق چوبک وغیرہ جیسے مشاہیر انقلاب سے پیشتر ہی ملک سے باہر تھے۔(38)انقلاب اور جنگ کے پس منظر میں بہت سے لوگ سیاسی اور نظریاتی اختلاف اور ذاتی سانحات کے نتیجے میں ایران کو چھوڑ کو یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک میں آباد ہوگئے۔ ان میں سے بعض تخلیق کاروں نے مہاجرت کے مصائب، نامانوس تہذیبوں کے مسائل، وطن اور ماضی کی یاد اور مستقبل کی غیر یقینی اندوہناکی کو موضوع بنایا۔ ان میں مسعود نقرہ کار( 1953)کا ناول" بچہ ہای اعماق"(1991)، گلی ترقی(1939)کا ناول" عادت ھای غریب آقای

الف در غربت"(1992)اور مصطفٰی فرزانہ کاناول" چادر درد" (1982)اہم ہیں۔ایران میں موجود بعض ناول نگاروں نے بھی ہجرت زدگی کے موضوعات پر کامیاب ناول لکھے۔(39)

ایران جدید میں خواتین کی اکثریت معاشرے کافعال حصہ ہے۔زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کا نمایاں کردار ادا کررہی ہیں۔انقلاب کے بعد یہ نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی کہ داستانوی ادب کی طرف خواتین کارحجان بہت بڑھ گیاہے۔آج کل ایران کے مقبول ترین ناول نگاروں میں کئی خواتین شامل ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے معتبر نام سیمین دانشور کا ہے۔ان کے علاوہ شہر نوش پارسی پور(1938)، غزالہ علی زادہ(1948)، جس نے 1996ء میں خودکشی کی تھی۔ میترو روانی پور(1954)اور فرشتہ ساری( 1954)کے نام اہم ہیں۔(40)شہر نوش پارسی پور کے ناول" طوبٰی و معنای شب" (1988)اور" عقل آبی" (1993)غزالہ علی زادہ کے ناول" دو منظر" (1984)خانہ ادریسی ھا(1992)اور" شب ھای تھران "(1999)میترو روانی پور کے ناول " اھل عراق"(1989)" دل فولاد"( 1990)اور" کولی کنارِ آتش" (1999)اور فرشتہ ساری کے ناول" مروارید خاتون"(1990)، " جزیرئ نیلی "(1993)اور" میترا" (1998) قابل ذکر ہیں۔ دیگر خواتین اہل قلم کے مندرجہ ذیل ناول بھی بہت مقبول ہیں:(41)

| | | |
|---|---|---|
| (۱) خاطرہ حجازی | در شبِ یلانی | 1992 |
| (۲) سپیدہ شاملو | انگار گفتہ بوی لیلٰی | 2000 |
| (۳) فتانہ حاج سید جوادی | بامداد خمار | 1995 |
| (۴) مہناز شہاب | سہ ہزار ویک شب | 1989 |
| (۵) فریدہ گلو | حکایت روزگار | 1994 |
| (۶) مہناز کریمی | رقص چنین | 1991 |

گھریلو خواتین کے لیے عام معاشرتی اور رومانوی ناول لکھنے والی خواتین میں فھیمہ اور نسرین ثامنی سب سے نمایاں ہیں لیکن ان کا فنی اور ادبی معیار معمولی ہے۔

ایران کے موجودہ خواتین ناول نگاروں میں سے میترو روان پور کے ناول جدید عالمی معیار کے حامل ہیں اور اگر ان کا تخلیقی سفر اسی ذوق و شوق سے جاری رہا تھا تو سیمین دانشور کے بعد یقیناً انہی کا نام سرفہرست ہوگا۔ منیرو روانی پور کا حلقہ قارئین خاصا وسیع ہے اور داستانوی ادب کے بیشتر ایرانی نوآموزان کی تخلیقات سے مسحور ہیں۔

## حوالہ جات/منابع

1۔ آثار علی اشرف درویشیان، در بوتہ نقد۔ از جعفر کازرونی، تھران ۱۳۸۸، ش
2۔ آدینہ، ویژہ نامہ امان وامان نویسی در ایران پس از انقلاب، تھران، ۱۳۶۹، ش
3۔ آشنایی باصادق ھدایت، از م۔ فرزانہ۔ تھران ۱۳۸۳، ش
4۔ ادبیات داستانی، قصہ داستانِ کوتاہ، رمان از: جمال میر صادقی، تھران، تھران ۱۳۶۶، ش
5۔ از صبا تا نیما، از یحیٰ آرین پور، تھران، ۱۳۵۱، ش
6۔ بررسی شعر ونثر معاصر فارسی، از محمود کیانوش، تھران، ۲۵۳۵، شاھنشاھی۔
7۔ بوف کور ھدایت؛ از: دکتر محمد علی ھمایون کاتوزیان، تھران، ۱۳۷۳، ش
8۔ بہ سوی داستان نویسی بومی؛ از عبدالعلی دست غیب، تھران، ۱۳۲۶، ش
9۔ بیدار دلان در آئینہ، معرفی ونقد آثار احمد محمود، از احمد آقائی، تھران، ۱۳۸۳، ش
10۔ بیست سال بالکلیدر، از عباس شیر محمدی، تھران، ۱۳۸۰، ش
11۔ پیدائش امان فارسی۔ از: کریستنف بالائی۔ ترجمہ مھوش قویمی وشیرین خطاء۔ تھران، ۱۳۸۸، ش
12۔ تصویر زن در داستان نویسی انقلاب اسلامی، از: زہرہ زواریان، تھران، ۱۳۷۰، ش
13۔ چون سبوی تشنہ، تاریخ ادبیات فارسی، از دکتر محمد جعفر یاحقی، تھران، ۱۳۷۳، ش
14۔ داستان نویسان جنگ در ایران، از حسین حلاّد، تھران، ۱۳۸۲، ش
15۔ داستان نویس ھای نام آور معاصر ایران، از جمال میر صادقی، تھران، ۱۳۸۲، ش
16۔ داستان ھای نویسندگان زن در ایران بعد از انقلاب، از مجلہ ایران شناسی، امریکہ، ۱۳۸۱، ش
17۔ داستان یک روح، شرح ومتن بوف کور ھدایت، از دکتر سیروس شمیسا، تھران، ۱۳۸۱، ش
18۔ در پیرامون امان، از: احمد کسروی۔ تھران، ۱۳۲۴، ش
19۔ امان امروز، از رضا سید حسینی، تھران، ۱۳۷۱، ش
20۔ امان وعصر جدید در ایران، از علی محمد حق شناسی، تھران، ۱۳۷۵، ش
21۔ امان ھای معاصر فارسی، از میر صادق، تھران، ۱۳۸۳، ش
22۔ سرچشمہ ھای داستان کوتاہ فارسی، از کریستنف بالائی، ترجمہ از کریمی حکاک۔ تھران، ۱۳۶۶
23۔ صد سال داستان نویسی ایران، از حسن میر عابدینی، تھران، ۱۳۷۳، ش
24۔ عناصر داستان، از جمال میر صادقی، تھران، ۱۳۶۴، ش
25۔ فرھنگ داستان نویسان ایران، از حسن میر عابدینی، تھران، ۱۳۶۹، ش
26۔ فرھنگ قصہ نویسان ایرانی، از جان گرین، ترجمہ محمود حسن آبادی، مشھد، ۱۳۸۳، ش
27۔ قصہ نویسی، از رضا براھنی، تھران، ۱۳۲۸، ش

28۔ کلیدر، رمانی حماسہ عشق، از جواد اسحاقیان، تھران، ۱۳۸۳، ش
29۔ گزارہ ھایي در ادبیات معاصر ایران، از دکتر علی شطیمی، تھران، ۱۳۸۳، ش
30۔ گزیدہ دہ سال داستان نویسی در انقلاب اسلامی۔ از ابراہیم حسن بیگی، تھران، ۱۳۶۸، ش
31۔ گفتگو با احمد شاملو، از محمد علی۔ تھران، ۱۳۷۲، ش
32۔ مانیز مردمی ھستیم، از، امیر حسن چھل تن، تھران، ۱۳۶۸، ش
33۔ نظریہ امان وویژگی ھایي امان فارسی، از محمد رفیع محمودیان، تھران، ۱۳۸۲، ش
34۔ نقد آثار بزرگ علوی، از عبدالعلی دست عیب، تھران، ۱۳۵۷، ش
35۔ نقد آثار بہ آذین، از عبدالعلی دست عیب۔ تھران، ۱۳۵۷، ش
36۔ نقد بررسی امان کلیدر، از محسن بابایي، مشھد، ۱۳۸۳، ش
37۔ نقد و تفسیر آثار دولت آبادی، از: محمد رضا قربانی، تھران، ۱۳۷۳، ش
38۔ نقد و سیاحت، از: دکتر فاطمہ سیاح، توس، ۱۳۵۳، ش
39۔ نقش ادبیات، داستان در تبین و تشبیب ارزش ھای جنگ، از علی موذنی، تھران، ۱۳۸۳، ش
40۔ نگاہ آماری بہ قصہ ھای جنگ، از: حسین حداد، تھران، ۱۳۸۳، ش
41۔ نویسندگان پیشرو ایران، از محمد علی سپانلو، تھران، ۱۳۶۹، ش